شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباعِ نبوی پر مبنی
ایک اصلاحی تحریک
مع
خطبۂ نکاح
کا ہماری معاشرتی زِندگی سے تعلق
ڈاکٹر اسرار احمد
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

(آل عمران، آیت ۳۱)

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباعِ نبوی پر مبنی

# ایک اصلاحی تحریک

مع

# خطبۂ نکاح

## کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب و تسوید

شیخ جمیل الرحمٰن

# تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

شاید ہی کوئی سلیم الفطرت شخص اس بات سے انکار کر سکے کہ ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ، ولادت اور فوتگی کے مواقع پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ہندوانہ تہذیب کی باقیات السیئات ہیں ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین 'دینِ فطرت' ہے۔ لہٰذا اس نے فطرت کے مطابق اجتماعی عدل کے پیشِ نظر ان تمام مواقع اور تقاریب کے لئے اسلامی معاشرہ کی عدل و قسط پر مبنی رہنمائی فرمائی ہے اور کسی معیار کے خاندان کے لئے اسے ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں بنایا ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ نے ان رسومات کی اصلاح کی طرف اپنی تقاریر میں لوگوں کی توجہ دلانی شروع کی اور علامہ اقبال کے اس مصرع کے مصداق "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر" ۱۹۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کی شادی کے موقع پر اپنے خاندان سے اس کی طرف اصلاحی پیش قدمی شروع کی اور موصوف کا نکاح اس ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق: "اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ" مسجد میں ہوا۔ بعدہٗ جب ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی بچیوں اور فرزندوں کی شادی کے مواقع پر اپنی پیش کردہ اصلاحی تحریک کے مطابق عمل درآمد شروع کیا۔ چنانچہ اس کتابچے کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب کی وہ تحریر شامل ہے جو موصوف نے ستمبر ۸۱ کے میثاق کے لئے سپردِ قلم فرمائی تھی۔ اس تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی پوری اصلاحی تحریک اور اس پر ان کے اپنے عمل کا پورا نقشہ سامنے آجائے گا۔ الحمدللہ اس تحریک کے رفتہ رفتہ اثرات مترتب ہو رہے ہیں اور اس سے متاثر ہو کر پنجاب خاص طور پر لاہور میں بہت سے اہلِ ثروت حضرات نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید کامیابی عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے جب دعوتِ رجوع الی القرآن کا آغاز کیا تو دعوت کے نفوذ کے ساتھ ہی دعوت سے وابستگان کے یہاں اپنے اور اپنے عزیزوں کے بچوں بچیوں کے نکاح پڑھانے کے لئے اصرار ہونے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک خطبۂ نکاح کی اصل غرض و غایت موقع کی مناسبت سے تذکیر و تلقین اور نصیحت ہے لہٰذا موصوف نے خطبۂ نکاح کے ساتھ اردو میں خطاب کو معمول بنا لیا تاکہ تذکیر کا حق ادا ہو سکے اور خطبۂ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے جو گہرا ربط و تعلق ہے وہ واضح ہو سکے۔ اس عاجز نے مختلف خطابات سے اہم نکات لے کر اس کو کتابچے کی شکل میں ۱۹۷۹ء میں اپنے دو بچوں کی شادی کے موقع پر شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر عارف رشید سلمہ کی شادی کے موقع پر اسے 'میثاق' میں شائع کیا گیا۔ اکثر احباب کا اصرار تھا کہ ان دونوں اہم چیزوں کو یکجا بمستقل طور پر انجمن کی مطبوعات میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام انجام پا گیا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

احقر جمیل الرحمٰن عفی عنہ

# شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

از قلم ـــــــــــــــ ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ اگست ۱۹۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقدِ نکاح اپنے چچا زاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لیے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا[1] جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل، جامع القرآن، یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرا دیا۔ مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درسِ قرآن شروع ہو سکے۔ بعد ازاں

---

[1] اس لیے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک "اَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ" (نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے!

کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درسِ قرآن کا آغاز ہوگیا ـــ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کردیا اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی 'AN AUSTERE MARRIAGE' کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا۔ اور جناب م۔ش نے تو اپنی ڈائری میں (نوائے وقت ۳ اگست ۱۹۸۱ء) مجھے عجب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور "ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!" کی سرخی جمائی[1] بہرحال جب کہ اس طور سے "رسوائی" ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے۔

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کرلی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحبِ نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لیے تو یہ تقریبات و رسومات صرف "چونچلوں" یا پھر اپنے "کالے دھن" کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لیے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ یا بالفاظِ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس "ام الخبائث" (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے (وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ)، لہٰذا آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش اور آپؐ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی

---

[1] یہ کالم ٹائیٹل کے صفحہ ۲-۳ پر ملاحظہ فرمائیں (مرتب)

اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

اس ضمن میں جہاں تک "سادگی" کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے۔ یعنی "سادگی" ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لیے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لیے بالکل اور! تو جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہو گی۔ اس کا حاصل و نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اس وقت پیش آیا جب ۱۹۶۶ء میں راقم نے لاہور میں دعوت "رجوع الی القرآن" کا آغاز کیا اور درس و مطالعۂ قرآن حکیم کے حلقے قائم کیے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسنِ ظن اور ایک گونہ عقیدت پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ "نکاح خوانی" کی فرمائشیں بھی آنی شروع ہوئیں۔ ابتداءً میں تو میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضے اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اولین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے "خطبہ نکاح کو محض "منتر" بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو خطبہ جمعہ کے ساتھ "خطابِ جمعہ" کا اضافہ کرنا پڑا تا کہ خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ" کے مطابق اس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اسے اضافی خطاب جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے "خطبۂ نکاح"

سے قبل "خطاب" کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی اور خاص طور پر حدیثِ مبارکہ "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ" کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ "اتباعِ سُنّت" کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو ہمیں یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے؛ مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے۔ جہیز اور بَری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے۔ اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیے۔ یعنی دعوتِ ولیمہ۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سُن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے۔ فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس وعظ کی تائید و تصویب ہی نہیں تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق پرنالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس "لیک" سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۲ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آ گئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی

---

ؕ۱ یہ بات بہت قابلِ توجہ ہے اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ "اصلاح الرسوم" کے لیے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف "اتباعِ سنت" کا اصول ہے اس کے سوا جو کوشش کی جائے گی وہ اُسی طرح غیر مؤثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح "سادگی" کا وعظ۔

ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا عزم کیا۔ اس لیے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اُس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا بھی چھوڑ دینا چاہیے گویا بقول علامہ اقبالؒ

یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!

خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا انہوں نے برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا اگرچہ بعد میں دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت رد و قدح اور طعن و استہزاء کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ Charity Begins at home والا معاملہ ہو گیا۔

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو اور تیسرے یہ کہ بارات کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر میثاق، لاہور کی اشاعت بابت فروری ۷۴ء کے "تذکرہ و تبصرہ" کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) وہ من و عن درج ذیل ہے۔

۱۔ "جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لیے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب وہ باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں اور ان کے چہروں پر حقیقی تاثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور

دختر نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضورؐ سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ سے افضل سمجھتا ہو اور اُسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ اور دوسرے یہ کہ ہمیں شرم آنی چاہیئے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تا حال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نکاح کے لیے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازت 'ایجاب' دیتا ہے۔ اس طرح جب لڑکی کا خود مجلس نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ راقم کے خیال میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور مؤثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ تقریب نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضا و رغبت آمادہ ہو جائیں گے۔ دو لیے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اوّلاً نکاح کے بعد جو دعائے خیر دولہا اور دلہن کے لیے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں۔ اللہ کے کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوشحالی اور دین و ایمان کی سلامتی اور باہمی الفت و محبت کی دُعا کی جائے تو امید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم دہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں، صوفوں اور کرسیوں اور رنگا رنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا جسے کسی اور نیک کام کے لیے صرف کیا جا سکتا ہے۔

۔ نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی گولی ہے

جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے یعنی یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق مفصل ہدایات دے دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے۔ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ "بِئْسَ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينُ (یعنی وہ دعوتِ ولیمہ بھی کیا ہی بُری دعوت ہے جس میں صاحبِ حیثیت لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے) یہ بتثبت حکم بھی دیا کہ "إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا" (جب تم میں سے کسی کو ولیمے میں بلایا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ "فَمَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ" (یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہوگا اس نے گویا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں "مسلم شریف" سے ماخوذ ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک

خواہ مخواہ کی بدعت نہیں ؟ اور کیا یہ اُن اِصُر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کو آزاد کرانا مقاصد نبوت میں شامل ہے

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم کو اپیل کرے گی یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لیے ویسا کسی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لیے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا) لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساسِ اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اتر گیا لیکن صحیح معنی میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لیے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہلِ خانہ اشکبار ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی بچی، بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں۔ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے۔ ان حالات میں اس گھر پر سارا سامان ہی گھر والوں کے ہاتھوں تو رہے اور جنجن اٹھانا یقیناً بڑی ہی دنارتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے ایک غیرت مند اور با ہمت انسان کے لیے یہ چیز الا الا کہ ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ہو بڑی ہی قابلِ حذر ہے۔

اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELIMINATE) کر دیا جائے تو خود بخود بارات کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے

کہ یہ سے ہی ختم کیے جانے کے لائق بلکہ صد لائق! خدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے یہاں تک کہ جتنی عربی لاقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ، بارات، کیا جا سکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے کہ ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ 'چڑھائی' کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر 'فاتحانہ' انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصور ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصور نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لیے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رُعب جماتے ہوئے بطریق استحقاق پلاؤ زردہ اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں 'مالِ غنیمت' سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اُس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروت، وقار و متانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیت UNHOLY TRIO ہے جو مل جل کر ایک وحدت بن گئی ہے یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیت بھی (وہ تین میں ایک اور ایک میں تین ")اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضرب کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی از سر نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل

ورست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی!

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کریں گے لیکن جب موقع آئے گا تو مجبوریوں، کا ایک کوہ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ للہٰذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا میثاق، کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضرا سمن آباد کے اجتماع جمعہ میں بھی۔ وہ تین فیصلے یہ تھے کہ راقم الحروف آئندہ ۱؎ نہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔ ۲؎ نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔ ۳؎ نہ ہی کسی ایسی تقریب نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس تک نہ ہوتا۔ الحمد للہ کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہو گئی۔ بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارا کر لیا اور ان کی مجبوریوں، کے پیش نظر میں نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں لیکن الحمد للہ والمنۃ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔

اس معاملے میں میرے لیے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے

موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور وہاں سے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کھینچ تان کر کے بھی "بارات" کے لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا!

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لیے جو بارات کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ (راقم خود ان دنوں دعوتی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا) دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس "بارات" میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نماز جمعہ کے متصلاً بعد عقدِ نکاح ہونا تھا، اُسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اُسی شام کو دلہن کو لے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب نے (جن کی بچی سے عقدِ نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچی کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بحمداللہ سال رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اسی سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م۔ش نے از راہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ "میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میرے ممدوح نے ان کی تقریر سے دل پذیر سے جو اثرات قبول کیے وہ انمٹ تھے" اس میں راقم نے ایک تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شانِ مبارک کے حوالے سے، جو "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" کے الفاظ قرآنی میں بیان

ہوئی ہے۔ حاضرین کو جرأت مندانہ اقدام کی ترغیب دلائی تھی اور دوسرے سورۂ انشراح کی آیاتِ مبارکہ "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" کے حوالے سے تحدیثًا لِلنِّعمۃ عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اُخروی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی (رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ)۔ اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ، وہ آسانی اور سہولت ہے جس کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور و معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لیے نچوڑ دیتا۔ نتیجۃً اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لیے نہ میرے پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دین متین اور بالخصوص اس کی کتاب عزیز کی خدمت کے لیے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباعِ سنت کے اس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے "اِصْر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کا بیڑا اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرما دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اللہ تعالیٰ کے عظیم وعدوں، یعنی "وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی" اور "فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی" کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرانی کا احساس تک نہیں ہوا۔ فَلَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ!!

جہاں تک 'جہیز' کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداء میں نے اس کے ضمن میں صرف "عدم نمائش" پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور رفقاء و احباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی

مزید پیش قدمی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اُسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق "جہیز" کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدرے مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے۔

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ "عُجب" کو دخل ہے نہ ہی اس سے "تعلّی" مقصود ہے۔ ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طومار کے "اصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ - اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ٥ (سورۃ النساء:۱)

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (۱۰۲)

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ٥ لا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ٥ (۷۱-۷۰)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ"

وَقَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

"مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ"

حضراتِ گرامی!

یقیناً آپ حضرات کو بہت سی مجالسِ نکاح میں شرکت کا موقع ملا ہوگا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہوگا کہ بالعموم خطبۂ نکاح یا تو اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ صرف دولہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اُس کو سُن پاتے ہیں۔ یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہو اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبۂ نکاح کو تمام ہی شرکاء سُن لیتے ہیں اور اُن کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبۂ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں، لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نابلد ہوتی ہے، لہٰذا اُن لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم و مطلب کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا خطبۂ نکاح کے لیے کس عظیم مصلحت و افادیت کے پیشِ نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے اور خاص طور پر ان آیات میں اس دُولہا کے لیے کیا نصائح، ہدایات، تذکیر اور رہنمائی موجود ہے جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کی جو اصل غایت ہے، وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے تھے، اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع و محل کی مناسبت سے آپؐ عموماً کچھ تذکیر و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ دین کے اہم اُمور کی یاد دہانی ہو جایا کرے۔

### خطبۂ جمعہ کی حکمت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت بھی یہی تذکیر (یاد دہانی) ہے۔ مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں لوگوں کو تذکیر اور قرآنِ حکیم کی قرأت فرمایا کرتے تھے : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ ۔ اسی طرح خطبۂ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت اور موعظتِ حسنہ ہے، ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے مرد کی رضامندی اُس کے وکیل کے ذریعے معلوم ہونے پر گواہوں کے سامنے اعلانِ عام کے ذریعہ نکاح خوان ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لیے کفایت کرتا ہے۔

انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور اُن کو اُجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبۂ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی۔ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! والا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ایک مسلک کی طرف سے خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ : مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ ۔ اگر کوئی چیز بتمام و کمال نہ مل سکے تو اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیے جو کچھ حاصل کیا جا سکے، وہ ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

## خطبۂ نکاح کی حکمت

پس خطبۂ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لیے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لیے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لیے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر اُستوار ہو، اور اس کو اس نہج پر منظم کیا جائے جو ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ

معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہوگی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صالحیت کا حامل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو، وہ ہی صحیح خطوط پر استوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہوگا۔ لیکن چونکہ دولہا جس کو تذکیر و نصیحت اصلاً مقصود ہے، عربی سے نابلد اور شرکاء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں عربی سے ناواقف۔ نتیجہ یہ کہ خطبۂ نکاح بھی محض ایک "رسم" بن کر رہ گیا ہے۔ (رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی!)

**خطبۂ نکاح کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول**

نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ خطبۂ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے سورۂ قٓ کا اختتام ہی تذکیر بالقرآن کے تاکیدی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ "پس (اے نبی!) تذکیر کرایئے قرآن کے ذریعے سے اُس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو!"

ابھی میں نے آپ کو خطبۂ جمعہ کے متعلق حدیث سنائی تھی کہ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَ يُذَكِّرُ النَّاسَ ۔ سیرتِ مطہرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا تھا۔ چنانچہ میں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قرأت کی ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح میں عموماً ان آیات کی قرأت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے ان آیات کی قرأت کی حکمتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصولِ برکت کے لیے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ ہونی چاہیے جو ام القرآن بلکہ بجائے خود "قرآن عظیم" ہے۔ یا سورۂ اخلاص ہونی چاہیے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قرأت محض حصولِ برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے، بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ النساء کی پہلی آیت، سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰، ۷۱ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ مجلسِ نکاح میں ان آیات کی قرأت سے دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لیے نشانِ منزل اور موجبِ رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مجلسِ نکاح میں صرف خطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُن احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآن حکیم کی ان آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطورِ تذکیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرأت فرمایا کرتے تھے۔ میں آگے جب ان آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو ان شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قرأت کی حکمتیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔

## تقویٰ کا ہمارے دین میں مقام

ان آیات کی تشریح و تفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کراؤں کہ ان آیات میں لفظ تقویٰ بتکرار آیا ہے۔ لفظ تقویٰ ہمارے دین کی اہم ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ و مفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اُردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر "پرہیزگاری" "ڈرنا" اور "بچنا" کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی و مفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اس لفظ کی شرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی وضاحت و صراحت اور بہت ہی قابلِ فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ "تقویٰ" کا مطلب دریافت فرمایا۔ جس کے جواب میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ تشریح بیان کی کہ:۔

"یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستے کو اس طرح

طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے جھاڑیوں اور اُن کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائیں۔ اسی احتیاطی رویے کو عربی میں "تقویٰ" کہتے ہیں۔ (او کما قال) فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تشریح و مفہوم کی تصویب و توثیق فرمائی اور حضرت ابی ابن کعبؓ کو داد بھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیوی زندگی کی پگڈنڈی پر ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذات اور معاصی کی خاردار جھاڑیاں موجود ہیں۔ اثم و عدوان کی ترغیبات و تحریصات کا کوئی شمار نہیں۔ ایک بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اُس کے انعام، نگاہِ کرم، نظرِ ترحم اور جزا کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہوا، جب زندگی گزارتا ہے تو اس رویے اور طرزِ عمل کا نام "تقویٰ" ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت و تاکید کی گئی ہے۔ اور خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں اُن میں اسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت و حکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

## سورۃ النساء کی پہلی آیت

سورۃ النساء کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ سورۂ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید میں انتہائی جامع سورت ہے۔ خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورۂ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایات آئی ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصاً گھریلو زندگی کے لیے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔ لہٰذا اب آیئے اس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ: اے بنی نوعِ انسان! اے لوگو! اپنے اُس رب (پروردگار اور پالنہار، ہادی و مربی) کا تقویٰ اختیار کرو۔ اُس کی پکڑ اور اس کے محاسبے اور اُس کی سزا سے ڈرتے رہو! (چونکہ تم کو اُس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کی، جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اُس قول کی جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے جواب دہی کرنی ہے۔ بمصداقِ آیتِ قرآنی: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ آیت کے اس حصہ میں نوعِ انسانی کو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے

یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ تقویٰ راس الحکمت ہے[1]۔ دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔ (حدیث) آگے فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (اپنے اُس رب کی پکڑ اور مطلب سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی جان میں سے اُس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔ (مراد میں حضرت آدم علیہ السلام، اور حضرت حوا جن سے یہ پوری نسلِ انسانی چل رہی ہے) اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیتِ کاملہ اور تخلیقِ تامہ کے حوالے سے نوعِ انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ جو حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مربی اور خالق ہے اُسی کا یہ استحقاق ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچا اور اُس کی سزا سے ڈرا جائے۔ اس آیتِ کریمہ کے اس ابتدائی حصے میں اس اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی کہ پوری نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حواؑ) کی اولاد ہیں گویا وحدتِ انسانی کی جو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیت سے بیان فرما دی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینشِ عالم سے تاحال پیدا ہوئے اور جو تا قیامِ قیامت پیدا ہوں گے، اُن کا رب اور خالق صرف اللہ! اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذریتِ حقیقی اور ایک ہی گھرانا ہے۔ دُنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے[2]۔ دولت و ثروت اور وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اس کی امرِ واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں۔ چونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات میں مزید وضاحت سے بایں الفاظ بیان فرمایا گیا۔

| | |
|---|---|
| یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ | اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت |
| مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ | سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان[3] |

---

[1] حکمت کی اساس خوفِ خدا ہے۔ [2] اس کو قرآن حکیم صرف تعارف کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (آیت — ۱۳)

بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا خبردار ہے۔ (آیت ۱۳)

اس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تفوق اور تفاخر کا زعم، زعمِ باطل ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں شرافت وکرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آگے چلیے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے! غور کرنا چاہیے کہ اس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی تکرار کیوں ہے؟ ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دار ومدار تقویٰ پر ہی ہے۔ تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم وتعدی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دینداری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولنے والا ڈنڈی مارے گا، ناپنے والا کمی کرے گا۔ تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا۔ ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے اُس کی بازار میں مصنوعی قلت پیدا کرے گا اور پھر منہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ تقویٰ نہیں ہے تو لوگ غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے، مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے، اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی صحیح نہج پر استوار نہیں ہوگی لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عملداری ہو سکتی ہے۔ پولیس کا عمل دخل ہے، عدالتوں کا عمل دخل ہے کسی پر ظلم وزیادتی ہوئی ہے تو دادرسی کے لیے عدالتوں کا کنڈا کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عملداریاں مؤثر بھی ہو سکتی ہیں لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اُن کا عمل دخل بہت

ہی کم ہے۔ گھر کی چار دیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچیے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک سپاہی مقرر کیا جا سکے، جو دیکھتا رہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال تو نہیں ہو رہے، کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ طعن و تشنیع کو جس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اس کے آڑے آسکتا ہے، اور کونسی پولیس ہے جو اس کو اس سے باز رکھ سکتی ہے پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور وادراک اور ایمان وایقان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۝ انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار ہوتا ہے! یہ بات اگر ہوگی تو دونوں فریق، شوہر اور بیوی اور ان کے اعزہ واقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساس ذمہ داری سے بجالائے گا اور بیوی کے حقوق بحسن وخوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجالائے گی۔ اعزہ واقارب بھی اپنے اپنے اُن فرائض وحقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعت حقہ نے اُن کے لیے مقرر کیے ہیں پس معلوم ہوا کہ عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گرہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون واطمینان سے چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

اب آئیے! اس آیتِ کریمہ کے اس حصے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں۔ چونکہ میں نے اب تک وَاتَّقُوا اللّٰهَ پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ غور کا مقام یہ ہے کہ اسی آیت میں تقویٰ کا حکم بتکرار کیوں آیا ہے۔ آیت کا پورا ٹکڑا یوں ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اور ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے! یہاں بڑا لطیف اور مؤثر انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ اکثر جب کہیں گھریلو معاملات میں ناچاقی ہو جائے تو عدم موافقت اور اختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لیے بالآخر خدا کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ خاندان کے

بزرگ دونوں فریقوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ "خدا کے واسطے باز آجاؤ، خدا کے لیے مان جاؤ، اختلافات ختم کرو، صلح صفائی کرلو، خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کردو، خدا کے لیے آئندہ احتیاط کرو، ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو، خدا کے لیے درگزر سے کام لو وغیرہ وغیرہ" تو جس خدا کا نام کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دہائی دیتے ہو، اگر اُس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو، اس کے احکام پر کاربند رہو جو حدود اُس نے معین کی ہیں، اُن حدود پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہونے کی صورت بہت کم ہو جائے گی۔ اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر چُک بھی جائیں گے اور سلجھے بھی ہو جائیں گے۔

پس جس خدا کا نام واسطہ دیا کرتے ہو، اُس کے احکام، اُس کے اوامر و نواہی اور اُس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو۔ یہی اصلاً تقویٰ کی روش ہے، یہی دین میں مطلوب ہے، اور اس روش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھریلو جھگڑے اوّل تو کھڑے ہی نہیں ہوں گے اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے۔

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: وَالْاَرْحَامَ "قطع رحمی سے بھی بچو"! رحمی رشتوں کا احترام اور اُن کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمی رشتوں کو کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسلام کو ایک بہت ہی منظم اور صالح معاشرہ قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطورِ نظام نازل فرمایا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے، جس میں باہمی الفت ہو، مودت ہو، ایک دوسرے کے لیے ہمدردی ہو، ایک دوسرے کے لیے اخوت اور ایک دوسرے کے لیے احترام و اکرام کا جذبہ موجود ہو۔ اسی مقصد کے لیے اُس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے۔ اس خاندان کے ادارے کے دو رُخ (DIMENSIONS) ہیں۔ ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے، دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے۔ لہٰذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر استوار کر لیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ اور اگر کسی معاشرے میں معتد بہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہوگا اور

ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر رُو بعمل آئیں گی اورساں کا کاماً ظہور ہو گا۔
والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآنِ حکیم میں بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ اس کا اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کرکے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا "(آیت ۲۳) "اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو" سورۂ لقمان میں فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ۔ (آیت ۱۴) کہ تو میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا بھی"! اس سے اندازہ کیجیے کہ والدین کے حقوق کی کس قدر اہمیت وتاکید ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حق سے ملحق کرکے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت والفت اور مودت کا صحیح تعلق قائم ہو۔ دونوں اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوں، اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو۔ جس کی برکت سے انشاءاللہ کوئی نزاع ہی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض۔ تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور اُن کے حقوق کا لحاظ اور اُن کی ادائیگی۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر آئے گا۔ جیسے فرمایا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ یہاں وَالْاَرْحَامَ فرماکر ان تمام رحمی رشتوں کی پاسداری کرنے، لحاظ رکھنے، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور اُن کی پائمالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی۔ اس آیتِ مبارکہ کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ "بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے"! یعنی جان لو کہ تمہارا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمہارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہوگا اور تمہارے اعمال واقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا۔ بلکہ جیسا کہ میں سورۂ قٓ کی یہ آیت دو بار آپ کو سنا چکا ہوں کہ:۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ لکھنے والے موجود ہیں جو اُس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورۃ الانفطار میں

فرمائی: وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝
"اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں۔"

## مغربی تہذیب کا المیہ

خدا فراموشی اور ہدایت ربانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے، ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتہ ہی نہیں۔ ہم ان ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں یہ "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں" کے مصداق اُن کے ٹھاٹھ باٹھ اور تمدنی ترقی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں اُن کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سکھ، چین اور سکون و اطمینان ہے۔ حالانکہ اس خدا ناآشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدا فراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دور دورہ ہے، لہٰذا شادی بیاہ کا بکھیڑا کون مول لے جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے، وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں، تو اُن میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت و عفت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا اور بیوی شوہر سے بیزار اور اُس کے باوفا ہونے کے بارے میں شکوک میں مبتلا مزید برآں اوّل تو مانع حمل تدابیر سے اولاد کے جھمیلے سے بچاؤ ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو اولاد کی چاہت ہوئی بھی تو اکثریت کے بچے نرسریوں (NURSARIES) میں پرورش پاتے ہیں۔ لہٰذا محبتِ مادری اور شفقتِ پدری سے یکسر محروم، اور اولاد کے دل والدین کی محبت اور احترام سے بالکل خالی۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں اولاد کی محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کجا، اُن سے ملنے اور اُن کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لیے فرصت اور وقت ہی نہیں۔ بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لیے سالوں ترستے رہتے ہیں۔ وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لیے جن کی بیویاں یا شوہر وفات پا چکے ہوں

اور جو نہارہ گئے ہوں، ہوسٹل قائم ہیں تاکہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں۔ یہ ہے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلد ہیں اور اُس کی تمدنی ترقی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں۔ جن کے ذہن و قلب اُس خدا نا آشنا تہذیب سے مرعوب ہیں۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں۔ وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا۔ اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ جس کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا اس میں سے بھی اکثریت کو مکافاتِ عمل کے اسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ لوگ بھی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں کہ اُن کی اولاد بڑھاپے میں اُن کے پاس بیٹھے، اُن کو کچھ وقت دے اور اُن کی دلجوئی کرے۔ جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناہموار رویہ و سلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایتِ ربانی کو پسِ پُشت ڈالنے کی نقد سزا جو دنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے۔ آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں، وہ علیحدہ ہے۔

## سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ آلِ عمران کی اس آیت کی بھی قرأت فرماتے تھے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ آیت ۱۰۲

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو جیسا کہ اُس کا تقویٰ اختیار کرنے (اُس سے ڈرنے) کا حق ہے، اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم (اللہ کے) فرمانبردار رہو"

غور فرمائیے! کہ اس آیت میں بھی اہلِ ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اس حکم کو مؤکد کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی تقویٰ مطلوب نہیں بلکہ تقویٰ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے یہ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی شان والا تقویٰ

درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سُنی تو وہ لرز اٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم میں سے کون ہوگا جو تقویٰ کا پورا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین صادقین کی دلجوئی اور اطمینان کے لیے سورۂ تغابن میں وضاحت فرمائی کہ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۱۶) یعنی انسان حدِ استطاعت تک ہی مکلف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے مجتنب رہے تو بربنائے بشری اس سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل معاف فرما دے گا لیکن کس کو کتنی استطاعت ملی ہے، اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ بندہ اگر اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی نہیں تو جان لیجیے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سے لازماً سابقہ پیش آکر رہے گا، اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قرأت کی حکمت بادنیٰ تأمل سمجھی جا سکتی ہے۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث آپ کو سنا چکا کہ: رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ نیز میں عرض کر چکا کہ ایک بندۂ مومن جادۂ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ حضرت اُبی ابن کعبؓ کے حوالے سے بھی بیان کر چکا۔ ان تمام اُمور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجیے کہ خاندانی اور عائلی زندگی میں تقویٰ ایک مسلمان کے لیے کتنی عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا خطبۂ نکاح کے موقع پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے اور اُس کو زندگی کے اس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کتنی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آرہا ہے اور اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی کی اس نئی راہ

کے لیے اُس کا اصل زادِ سفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

آگے چلیے! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ: وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلت عمر لے کر آیا ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرما دی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی روش ہی پر جینا اور مرنا ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے، اُمنگوں اور ولولوں کا زمانہ ہے۔ لہٰذا اب تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دور ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! تم کو کیا معلوم کہ قضائے الٰہی کب آجائے اور کب مہلتِ عمل ختم ہو جائے لہٰذا زندگی کے ہر ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا عزم مصمم رکھو اور تابعداری کی روش ہمہ وقت اختیار کیے رکھو تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے اور وہ اچانک بھی آسکتا ہے تو اُس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو۔ جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ عنکبوت ۶۴)

## سورۃ الاحزاب کی دو آیات

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (آیات ۷۰، ۷۱) "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو اور درست بات کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سدھار دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے تو اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی"! غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اُسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النساء کی پہلی آیت میں دو بار اور سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں حَقَّ تُقٰتِهٖ کی تاکید کے ساتھ ایک بار آچکا ہے۔ اب اس آیت میں اس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دولہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو

زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گرہستی کے معاملات میں اللہ تعالےٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ، ہر لحظہ اور ہر قدم پر ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ گویا عائلی زندگی کی مسرت وراحت اور سکون واطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی روش پر ہے۔ جس کے بغیر یہ متأہل زندگی باعثِ راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعثِ کلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیتِ کریمہ میں دوسرا حکم ہے: وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا "اور بات کرو درست اور سیدھی"! میں منہ سے نکلنے والی بات کی اہمیت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر اس حکمِ ربانی کی حکمت کی تفہیم کے لیے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

## زبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلق

آپ یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر وبیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلقات میں نفرت اور بیر کا بیج بونے اور پھر اُس کو نشوونما دینے اور دلوں میں زہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حصائد الالسنہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں، جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اُس کا غلط استعمال ہو تو یہی بات بہت سی خرابیوں، برائیوں اور تعلقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے عربی کی کہاوت ہے کہ "تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا"! ہم میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہوگا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے گھاؤ کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ چونکہ زبان کا گھاؤ براہِ راست دل پر جا کر لگتا ہے، جس کے اندمال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوہر اور بیوی، ساس اور بہو اور اعزہ واقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیداً اور قولِ حسن کی اہمیت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل

سے لیے جانے والے جن عہد و پیمان اور میثاق کا ذکر ہے، اس میں زبان کا صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ط

(آیت: ۸۳)

یاد کرو، اسرئیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور لوگوں سے درست اور بھلی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰة ادا کرنا۔

## زبان کے غلط استعمال کی ممانعت

معاشرتی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیے گئے ہیں اور ان تمام مفاسد کے انسداد کے لیے ہدایات دی گئی ہیں، جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے، وہاں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(آیت: ۱۱)

اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ہی ظالم ہیں۔

اسی سورت کی اگلی آیت کے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شناعت

کو ظاہر کرنے کے لیے وہ تشبیہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہ دینا ممکن ہی نہیں، فرمایا:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ اندر کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے مرے ہوئے لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اس سے تو تم خود گھن کھاؤ گے!"
(آیت: ۱۲)

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے اُن کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تمسخر کرنا ہو، مذاق اُڑانا ہو تو اس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا، کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنا، یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں، لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ "آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ" لفظ "لمز" بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام لگانا، اعتراض جڑنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ "اور کسی کو بُرے القاب سے مت پکارو" کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اُس کی تذلیل ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو چڑانے کے لیے کوئی نام رکھ دیا جس کو عرف عام میں "چڑ" کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا کسی کو لنگڑا، لولا، کانا اور اندھا، بہرا کہہ دیا کسی کو اُس کے اپنے یا اُس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیر حقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا، یا کسی کو تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقاب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اُس کی شناعت ظاہر کی گئی ہے۔ غیبت پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے، اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا

ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اُس کی عزت و وقار کو مجروح کیا ہے اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھیے کہ ایسے تمام افعال کو "فسق کا نام زبان پر لانا" قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالت الٰہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ سورۂ حجرات کی ان آیات میں جن برائیوں اور گناہوں کے لیے نواہی (اجتناب کرنے، بچنے، رُکنے) کے احکام آئے ہیں یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھریلو زندگی میں بڑا چلن ہے۔ کھانے کے دسترخوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہمز و لمز، تنابز بالالقاب، تمسخر و استہزاء اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو ان ہی برائیوں کا ارتکاب ہوگا۔ کسی کا چڑاؤ نا نام رکھ چھوڑا ہے، کسی کو طعنہ دے دیا ہے، کسی کا مذاق اڑا دیا ہے، کوئی چبھتا ہوا فقرہ کس دیا ہے، کسی کی چغلی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لیے Light Mood میں بھی کہی جاتی ہیں۔ اور اکثر آدمی ان کو ہنس کر ٹال بھی دیتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو، اُس کی اُس وقت ایسی ذہنی و نفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اُس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگانے کا سبب بن جائے اور ایسا گھاؤ ڈال دے جس کا اندمال ممکن نہ ہو۔

## نبی اکرمؐ کی ہدایات

میں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سنا دوں جن سے آپ کو اور خاص کر دولہا اور اُس کے اعزہ و اقارب کو معلوم ہو جائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے، ایسے لوگوں کے لیے کیا بشارت ہے۔ اور زبان کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لیے عقوبت کی کیا وعید ہے۔

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے جو قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے:

| | |
|---|---|
| عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ | حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے |
| قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى | کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھے |
| اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ | دان دو چیزوں کی ضمانت دے جو اُس کے |
| لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا | دو گالوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور جو |
| بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهٗ | اُس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) |
| الْجَنَّةَ ۔ | تو میں اُس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔! |

ہم سب کے لیے اور خاص طور پر دولہا کے لیے اس حدیث میں بڑا سبق ہے۔ نبی اکرمؐ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تعلقات کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لیے جنت کی ضمانت اپنے ذمہ لی ہے۔

دوسری ایک طویل حدیث ہے جس کے راوی ہیں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ اور جس کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کتبِ احادیث میں درج کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ طویل حدیث ہے، جس میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کے اس سوال پر کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایک ایسے عمل کی خبر دیجیے جو مجھ کو جنت میں داخل کر دے اور آگ سے دُور رکھے، اس سوال کے جواب میں نبی اکرمؐ نے دین کے تمام اُمورِ مہمات کی تعلیم دی جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت و اطاعت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صومِ رمضان، حج بیت اللہ کے فرائض دینی بھی شامل ہیں۔ نفلی روزے اور صدقے اور نوافل بالخصوص تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی (Highest Virtue) جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ ان اُمور کی تعلیم کے بعد حضورؐ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میری اس گفتگو سے براہِ راست تعلق ہے لہٰذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ | پھر (نبی اکرمؐ نے) فرمایا (اے معاذؓ) کیا میں تجھ |

بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ ۔

کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر ان (دخولِ جنت) کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا نبی اللہ! پھر حضورؐ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو تو بند کرے۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہم اس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے جو ہم بولتے ہیں فرمایا گم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذؓ۔ لوگوں کو آگ میں ان کے منہ کے بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرائیں گی۔ یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی جو وہ آخرت میں کاٹیں گے۔

## مقامِ عبرت

ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے۔ اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے، کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اجڑ جاتے ہیں اور وہ معلق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں۔ کتنے ہی مرد و عورت ہیں جو بے راہروی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اٹھان غلط رُخ پر ہوتی ہے وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کا علاج سورۂ احزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تجویز فرما دیا گیا:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو۔ اس تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کر دے گا اور تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا: يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. جو شخص گھر کی زندگی

میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا۔ ظاہر ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام ہی معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا اور اس کی دورنگی زندگی نہیں ہوگی، جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لیے بڑا خوش مزاج با اخلاق، حلیم وشفیق اور خلیق ہے لیکن گھر والوں کے لیے فرعون بےسامان بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دُورُخے، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گھر والوں، بیوی، بچوں، ماں باپ اور قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں یہ روایت درج کی ہے:

| | |
|---|---|
| عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ۔ | حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا ہوں! |

یہی روایت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔

## اطاعت کے لوازم

سورۂ احزاب کی ان روایات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تقویٰ الٰہی اور قول سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل ہیں۔ چنانچہ آخر میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ | اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے گا، وہی کامیاب قرار پائے گا اور اسے وہ کامیابی حاصل ہوگی جو بڑی عظیم کامیابی ہے۔ |

حضرات! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قرأت فرمایا کرتے تھے، میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کر دی ہیں مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیاتِ مبارکہ میں بیان ہوئیں۔ اور ان میں ہم سب کے لیے اور خاص طور پر دولہا کے لیے وہ تذکیر، نصیحت، ہدایت اور رہنمائی موجود ہے، جن کو زندگی کے ہر معاملہ اور ہر موڑ پر بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے خاندان بھی خوش و خرم رہے گا، اس میں سکون و اطمینان کی فضا قائم و دائم رہے گی، اور اس کا عکس ہمارے معاشرے میں مترتب ہوگا۔ جو نظامِ اسلامی کے نفاذ و قیام اور استحکام میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ جس کے بغیر اسلامی نظام کا نفاذ و قیام بھی مشکل، اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا مستحکم ہونا مشکوک۔!

## نکاح سُنّتِ رسول ہے!

حضرات! ہمارے علماء و خطباء خطبۂ نکاح میں ان آیات کی قرأت کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے اچھی طرح جان لیجیے کہ یہ دو حدیثوں کے علٰحدہ علٰحدہ ٹکڑے ہیں، مکمل احادیث نہیں ہیں۔ پہلا ٹکڑا اس حدیث کا ہے، جس کو امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ "نکاح میرا طریقہ اور میری سنت میں سے ہے!

اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصور کی نفی اور تردید کی جا رہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے۔ رہبانیت کا یہ تصور آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت، جین مت، ان میں بھی یہ تصور مشترک ملے گا کہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لیے رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت دونوں کے لیے تجرد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ وارفع مقام دیا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک

ان کے معاشرے میں دوسرے درجہ کے شہری (SECOND RATE CITIZEN) شمار ہوتے ہیں ۔ چونکہ شادی بیاہ کے کمپلیکس میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گنوا دی ہے۔

## ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے ، قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی حضورؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے ۔ میں جو دین لے کر آیا ہوں وہ دین فطرت ہے ۔ یہ دین ، انسان کے کسی بھی طبعی اور فطری تقاضے پر کوئی غیر فطری قدغن عائد نہیں کرتا ، نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تقاضوں کو بالکلیہ کچل دیا جائے ۔ اس کے برعکس ہمارا دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رُخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر CHANALISE کرتا ہے ۔ ان کا جو صحیح مصرف ہے ، اس کے لیے اُس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں ۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لیے اپنی انفرادی سطح پر بھی بھلائی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے ۔ لہٰذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح ، جائز اور مفید طریقہ ہے ، اس کے لیے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے جیسے نکاح ۔ البتہ وہ غلط راستے بند کرتا ہے جیسے زنا ، آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کیلیے موجب شر اور معاشرے کے لیے موجب فساد ہوتا ہے ۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکیداً منع کیا ہے ۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے ! یہاں جو لام استعمال کیا گیا ہے ، وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لام نفی جنس کہلاتا ہے ۔ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہو گئی ۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي " جو میری سنت کو ناپسند کرے اُسکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ۔

## ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیر اثر ، چاہے وہ ہندوانہ

تصورات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات، ہماری اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ وارفع نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ فلاں بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد وزاہد تھے، انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی گویا اس ڈھنگ کا شادی نہ کرنا ایک قابلِ مدح وتعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچیے کہ اس بات کی زد طیرِ مقاطہ انداز اور غیر شعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ ع: نادک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں اس کی زد پڑ رہی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اگر شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا کوئی قابلِ تحسین کام ہے، کوئی اعلیٰ وارفع عمل ہے، زہد وعبادت اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے، تو نعوذ باللہ من ذالک نبی اکرمؐ تو اس سے محروم رہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ ہمارے لیے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو مدح وتعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے۔۔۔۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو تو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حقیقی مجبوری ہو، حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجرد کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی لیے کہ نبی اکرمؐ کا فرمان یہ ہے کہ: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ اگر اس کے برعکس بعض کو آپ نے مقامِ مدح قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرمؐ کے لیے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل اور اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں نے آپ کو سنایا کہ: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ وہ اسی، اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ۔ کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرمؐ کی امت میں شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہر امتی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور سنت عزیز ترین اور محبوب ترین ہو۔۔۔۔ اگر وہ کسی سنت پر عمل کرنے سے معذور و قاصر ہو تو اس کو ملول و مغموم ہونا چاہیے، اس کو اپنی بدنصیبی سمجھنا چاہیے لیکن اگر وہ حضورؐ کی سنت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضور اکرمؐ سے نہیں ہے، چاہے

وہ ایمان کا مدعی ہو، زبانی طور پر اس کے عشقِ رسولؐ کے بڑے بڑے دعوے ہوں کتنا ہی وہ غلامِ نبی بنا پھرتا ہو، لیکن اگر اُسے سنتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند ہے، اور وہ اُسے کسی درجہ میں بھی لائقِ التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشقِ رسول کے تمام دعوے جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ - کا۔!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظِ رغبت جب الیٰ کے صلے (PREPOSITION) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا، اس کی طرف میلانِ طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رَغِبَ الیٰ کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظِ رغبت اُردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عَنْ کے صلہ کے ساتھ آئیگا "رغب عن" تو اس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور روگردانی کے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں رَغِبَ عَنْ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو ناپسند کرنا، اور اس سے نفرت و روگردانی کرنا ہوگا۔

## رشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم

حضرات! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمل طور پر بھی سنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ اس حدیث میں ہم سب کے لیے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراطِ مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہلِ سنت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے۔ حدیث یہ ہے:

| | |
|---|---|
| وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا | انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ جب ان کو خبر دی گئی۔ انہوں نے اس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ |

اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَّلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشٰكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقٰكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے پس فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا اور تقویٰ کرتا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

**لمحاتِ فکریہ**

آخر میں میں یہ عرض کرنا اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف نکاح ہی سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو میں نے سنائیں جن سے یہ بات ہمارے سامنے بصراحت آگئی ہے کہ یقیناً نکاح سنتِ رسولؐ ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ مبارکہ کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ بفحوائے فرمانِ الٰہی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۃ احزاب ۲۱)
معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کی پوری زندگی ہمارے لیے بحیثیت مجموعی سنت کا مقام و مرتبہ رکھتی ہے لہٰذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہیے کہ نکاح کی سنت ہم نے ادا کر دی اور پھر حضورؐ کے اس فرمانِ مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ: اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ "نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اُسے مسجدوں میں منعقد کرو"! ٹھیک ہے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ان سنتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی، وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ زندگی کے بقیہ معاملات میں سنت کے تقاضے کیا ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے۔ دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے اور نبی اکرمؐ کی تمام سنتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری دنیوی و اُخروی صلاح و فلاح اور نجات کا دارو مدار ہے جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۷۱ کے آخر میں فرمایا کہ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ موقع نہیں ورنہ میں آپ کو ان میں سے چند آیات سناتا پس آشنا جان لیجیے کہ اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ نبی اکرمؐ نے فرمایا، مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔" سورۂ آل عمران میں سنتِ رسولؐ کے اتباع کا مقام اللہ تعالےٰ نے واضح طور پر متعین فرمادیا ہے، اور اہلِ ایمان کے ساتھ اپنی محبت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ کامل کے اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے: فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آیت ۳۱) (اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائیگا اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔" یہ آیت اس بارے میں نصِ قطعی ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع حضورؐ کی پیروی، آنحضورؐ کی سنتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے۔ اور اس طرزِ عمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ بھی ایسے لوگوں سے محبت کرے گا، اور اُن سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بربنائے بشری سرزد ہوں گی، اللہ اُن کو معاف کردے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے، رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنتِ رسولؐ کی پیروی لازم ہے نکاح بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوگا۔ دعوت و تبلیغِ دین بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سنت ہے۔ مجاہدہ فی سبیل اللہ

اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لوگوں پر دین کی حجت قائم کرنا بھی سنت ہے۔ دینِ حق کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس کام میں اپنا جان و مال لگانا، اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سنتِ رسول اللہ ہے۔ معصیت کی ہر ترغیب و تحریص سے بچنا اور پوری زندگی میں، چاہے وہ سیاست ہو، تجارت ہو، ملکی انتظام ہو، بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلقات و معاملات ہوں، ان سب کو قرآن کی ہدایات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سنت ہے۔ شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنت نہیں بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرمؐ کی سنت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ سنت ہیں۔

## حرفِ آخر

حضرات! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبۂ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت پر میں تقریر ضرور کیا کرتا تھا جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی ہوتی جو نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لیے کچھ مشوروں اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ کی شادی کے موقع پر میں نے طے کیا کہ جن اصلاحات کی طرف میں لوگوں کو متوجہ کرتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو ٹھیٹھ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب اختیار کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خالص ہندوانہ ہیں۔

میں نے ۷۳ء کے اواخر ہی میں میثاق میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تجارت پیشہ

برادریوں میں نکاح کی مجالس کا مساجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا اُسے لاہور یا پنجاب کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے، اس کے بارے میں یہاں تاحال سوچا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رسُوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی "میثاق" میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے:

(الف) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

(ب) میں نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ہے، جس کا ثبوت ہی نہیں، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

(ج) کسی ایسی نکاح کی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

الحمد للہ والمنۃ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں[1]۔ میں آپ حضرات کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجیے، بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجیے جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا، جن کا ہمارے ہاں رواج ہے جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ

---

[1] نومبر ۷۸ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی بیٹی بچی کی شادی ہوئی ہے۔ موصوف نے اپنی بچی کو نہ خود زیادہ جہیز دیا اور نہ ہی اعزہ و اقارب اور احباب کی جانب سے دیے ہوئے تحائف قبول کیے اور نکاح کے بعد بچی کو مسجد ہی سے رخصت کر دیا۔ ان کے ہاں مہمانداری کی کسی نوع کی بھی کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ (ج۔ ر)

رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم اور اسوۂ رسول کے ذریعے ہمارے کاندھوں پہ
سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ
عَلَيْهِمْ "اور ہمارا یہ نبی اُمیؐ لوگوں پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے
اور وہ بندشیں کھولتا ہے، جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان
عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے دین کو آسان سے آسان بنایا ہے آپؐ نے ہدایت دی کہ يَسِّرُوا وَلَا
تُعَسِّرُوا "آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو"۔ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں ہم نے
شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے، جس سے شادی ایک لمبا نتھا
گراں مسئلہ بن گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ
رسوم ہمارے ہاں جاری ہیں ان کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں۔ ہندوستان میں جن برادریوں
اور خاندانوں نے اسلام کو قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے
بجائے ان کے نام بدل دیئے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں سننے
میں آیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے قبل
میو قوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب آکر نکاح بھی پڑھاتے تھے
اور پھر پنڈت جی آکر پھیرے بھی ڈلواتے تھے، تاکہ پکا کام ہو جائے۔ آخر نسلاً بعد نسلٍ جو چیز دلوں میں
بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول کہنے سے بندھن بندھ گیا
اسی لئے وہ دولہا دلہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی لگواتے تھے اور اس طرح
ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اس بات پر تو آپ لازماً مسکرائیں گے یا اسے
بہت ہی بعید از قیاس گمان کریں گے۔

لیکن جائزہ لیجیے کہ بعینہٖ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضورؐ کے طریقے پر ہو لیکن بارات
کا طومار ہے، جہیز کا انبار ہے، رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحب
ثروت ہیں، وہ اپنی دولت و ثروت اور امارت کے اظہار کے لیے پرانی رسموں پر ہی اکتفا
نہیں کرتے، بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن

بڑا در خیز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ان تمام رسومات کی نبی اکرمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کیے ہیں۔ مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرک دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے جذبے سے زیادہ معاشرتی مجبوریاں تھیں۔ جن کی بنیاد پر فیصلے کیے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصور ختم کر دیا جائے۔ لڑکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو، وغیرہا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبالہ وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کو زندہ کیے ہوئے ہے، رسم پرستی کا جو بت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرائے گا، اور اس کا کسی طرح ظہور ضرور ہوگا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جوں کی توں باقی ہیں، بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین نے صرف ولیمہ کی دعوت کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ولیمہ ضرور کیا کرو، اور جس کو ولیمہ میں بلایا جائے، وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ جب غور کریں گے تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی لڑکے والوں کے لیے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے لیے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ لیکن نگاہِ حقیقت بین سے دیکھئے تو بیٹی والوں کے لیے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچی کو پالا پوسا، اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو، معلومات کر لی ہوں، اطمینان کر لیا ہو، لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہوگا۔ مزاج ملیں گے یا نہیں، موافقت ہوگی یا نہیں، پتہ نہیں سسرال والوں کا سلوک کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچی کی الوداعی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں، بہنیں پچھاڑیں کھا رہی ہوتی ہیں، اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر ان کے مطالبات

کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا۔ لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہیئے! ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی۔ میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجیئے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اُس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے، کہاں جائے، اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جوان بیٹیوں کو کیسے بیاہے۔!!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بُت دلوں میں چھُپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے اس لیے میں آپ حضرات سے عرض کروں گا کہ اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سامنے شادی بیاہ کے لیے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے: مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، وہ سر آنکھوں پر، اور جو چیز ثابت نہیں اُس کو پاؤں تلے روندنے کے بجائے اگر ہم نے بسر و چشم قبول کیا تو اچھی طرح جان لیجیئے کہ ہمارا دین کے ساتھ تعلق مخلصانہ نہیں، اور ہمیں اِس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیئے!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔


نام کتاب ــــــــ شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

بار اول تا بار ہفتم (مارچ ۸۵ء تا مئی ۹۵ء) ــــــــ ۲۳,۰۰۰

بار ہشتم (مئی ۱۹۹۶ء) ــــــــ ۳,۳۰۰

ناشر ــــــــ ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت ــــــــ ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

فون : ۳۔۵۸۶۹۵۰۱

مطبع ــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

قیمت (اشاعت خاص) ــــــــ ۱۲ روپے

(اشاعت عام) ــــــــ ۶ روپے

## AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES Lahore insertion of 29th August 1981).

"Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be pon him) was observed at a marriage function in Jamia-ul-Quran, Quran Academy, Model Town Lahore on Thursday evening.

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening prayers; before the "Azan" they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran. After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the "Nikah" ceremony of Mr. Mohammad Saeed Asad with his daughter *Amatul Mohsee*. Whence the nikah ceremony was over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family".

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

# قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشاۃِ ثانیہ** — اور — **غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ